بیان کیا تو آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ جس قانون کے تحت یہ انتخابات ہو رہے ہیں یا ہوں گے یہ اسلام اور قرآن کا قانون نہیں ہے مگر یہاں سوال اس قانون کے تحت بننے والی اسمبلیوں کا نہیں بلکہ ان لوگوں کے گرد گھومتا ہے جو اس قانون کے تحت منتخب ہو کر آئیں گے اور میرا کہنا یہ ہے کہ اگر آپ نے ان لوگوں کو وہاں تک پہنچ جانے کا کھلا موقع دے دیا جس کی نہ سوچ اسلامی ہے نہ ان کو اسلام کے نظام حیات سے ہی کوئی دلچسپی ہے نہ وہ اسلام اور قرآن کے نفاذ کو اپنی زندگی کے لیل و نہار سے ہی مطابق پاتے ہیں اور نہ وہ قوانین اسلام کو اپنی زندگی کا معیار بنانا ہی پسند کرتے ہیں تو آپ ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کریں گے جس کی تلافی پھر آپ سے کبھی نہیں ہو سکے گی اور پھر آپ کو ملک کے اندر انہی کی پسند کو پسند کرنا ہوگا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے علم کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کا مشورہ بھی حاصل کیا اور حالات کا ہر وقت اندازہ کر لیا تو امید کی جا سکتی ہے کہ آپ اپنی اس منزل کو پا سکیں جس پر پہنچنے کے لیے آپ دن رات بے چین ہیں۔

آپ اگر لادین عناصر کے ہاتھ سے بازی چھین لینا چاہتے ہیں تو کچھ عرصہ کے لیے اپنے سینہ پر جمہوریت کے پتھر کو گوارا کر لیجئے کہ اس وقت آپ کے لیے بہترین مشورہ یہی ہے

مزید فرمایا آپ یقین کر لیجئے کہ میں نے خوب سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

مولانا بھٹوی صاحب نے بات کو روکتے ہوئے ایک بڑا ہی خوبصورت جملہ کہا کہ

"علامہ صاحب! سوال آپ کے فیصلہ کا نہیں بلکہ سوال قرآن و سنت کے فیصلے کا ہے"

اور مولانا کے اس جملہ پر حاضرین کے ساتھ ساتھ خود علامہ مرحوم بھی بہت محظوظ ہوئے۔

علامہ مرحوم کی تقریر جاری تھی وہ فرما رہے تھے۔

مولانا! اگر آپ اپنی عقل کو بھی اپنے علم کے ساتھ رفاقت کی اجازت دے سکیں تو بات باآسانی آپ کی سمجھ میں آ سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ آپ نے سارا بوجھ اپنے علم پر ہی ڈال رکھا ہے عقل سے بالکل استفادہ نہیں کرتے

علامہ مرحوم کہنے کو تو یہ بات کہہ گئے مگر انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان سے تجاوز ہوا ہے وہ میزبان ہیں اور مولانا مہمان۔

پس علامہ مرحوم نے اپنی بات کا رخ بدل دیا اب ان کے لہجہ میں ملال کا عنصر بھی

شامل تھا اور عذر خواہی بھی۔ علامہ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

مولانا! آپ نہیں جانتے کہ آپ کی جمعیت حکومتِ پاکستان کے لیے کسی حد تک مسئلہ بن چکی ہے یہاں بڑی بڑی صاحب ادعا جماعتیں موجود ہیں مگر حکومت نے ان کی کبھی پرواہ نہیں کی بلکہ جمعیت اہل حدیث کے ٹمپریچر کا اندازہ کرتے رہنے سے حکومت کبھی غافل نہیں رہی اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی قومی سبب ہی ہے۔ آپ کی جماعت سے حکومت خائف بھی ہے اور مرعوب بھی اس کی وجہ صرف آپ کی کارگزاری اور آپ کی سوچ کا نکھرا ہوا صاف ستھرا اور مثبت رخ ہے اور آپ کے عزائم کا شکوہ مزاجوں کا استقلال فیصلوں میں استحکام اور ان کی جلالت قدر ہے۔

وزیر اعظم جونیجو

اس مرحلہ پر پہنچ کر علامہ مرحوم نے بتایا کہ یہ آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا ہی اثر ہے کہ حکومت کے لیے کسی اقدام سے قبل آپ کے مزاج کا اندازہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے انہوں نے بتایا کہ گزشتہ شب وزیر اعظم جونیجو لاہور آئے اور ان کی آمد کا جو مقصد ظاہر کیا گیا وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقات تھی مگر مولانا سے ملاقات کرنے سے قبل رات کے بارہ بجے وہ یہاں میری قیام گاہ پر پہنچے تھے اور نصف گھنٹہ تک حالاتِ حاضرہ پر مجھ سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اب یہ تو ظاہر ہے کہ مجھے نہ ان سے کوئی دوستانہ مراسم تھے نہ کوئی رشتہ داری ان سے قائم تھی وہ مجھے محض اس لیے ملنے آئے تھے کہ میں ملک کی ایک مضبوط اور مستحکم جماعت کا ناظم اعلیٰ ہوں اور وہ اس جماعت کی فعالیت سے آگاہ تھے۔

حکومت جانتی ہے کہ یہ لوگ جرأت مندی سے فیصلے کرتے ہیں پھر ان پر قائم رہتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر عمل کرتے ہیں جمعیت اہل حدیث کو اس وقت ملک کے اندر جو پوزیشن حاصل ہے اسے اپوزیشن والے بھی جانتے ہیں اور حکومت بھی اس سے آگاہ ہے اور ان حالات میں جب آپ کے پاس ایک میدان موجود ہے تو ہمیں یہاں اسلام کو نافذ کر سکنے کے کسی ذریعہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور آج یہ جمہوری نظام بھی ان ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے ہمیں اپنی سوچ کی راہیں نئے حالات میں نئی بنیادوں پر متعین کرنے کی مجبوری قبول کر لینی چاہیئے اور ہم اس دور کو عبوری دَور قرار دے کر اس دور سے منزل پر پہنچنے کے ذریعے کو اگر کسی عارضی عرصہ کے لیے حاصل کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

اور اگر یہ جمہوریت کسی لادینی اور الحاد سے ہی عبارت ہے تو بھی ہمیں جمہوریت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو اپنی مرضی کے تابع بنا لینے کی سعی کرنی چاہیئے لیکن اگر ہماری غفلت سے اس گھوڑے پر دوسرے لوگ سوار ہوں گے اور وہ اپنے اس گھوڑے کی ٹاپوں سے ہمیں کچل کر رکھ دیں گے اور میں اپنی اسی سوچ پر اس لیے زور دیتا ہوں کہ پاکستان میں اس راہ کو اختیار کئے بغیر کامیاب زندگی گزارنے کی کوئی دوسری متبادل راہ موجود ہی نہیں ہے اگر آپ نے یہ موقع کھو دیا تو پھر سوائے پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آخری نکتۂ بحث

وقت بہت گزر چکا تھا اور رشرکا مجلس میں سے بعض احباب کا سفر بھی دور کا تھا اس لیے اب بحث کو سمیٹنے کی مجبوری تھی بنا بریں مولانا بھٹوی صاحب کا یہ نکتۂ بحث آخری نکتہ بحث ہی تھا جب مولانا نے سوال اٹھایا کہ۔

" فرض کیجئے آپ اس نظام کو نظریہ ضرورت کے تحت اختیار کر لیتے ہیں اور ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ آپ اپنی سمت سے قانون ساز اداروں کے لیے اپنے پانچ دس ارکان بھی منتخب کرا لیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے یہ پانچ یا دس ارکان تین چار سو اراکین پر مشتمل مخالف مسلک ارکان کے ایوان میں آپ کے لیے کیونکر کوئی اچھی خبر پیدا کر سکتے ہیں جبکہ اس نظام کے تحت ؏

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔

علامہ مرحوم کا جواب

علامہ مرحوم نے حضرت بھٹوی کے نکتہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا، اول تو ہمارے اراکین کی تعداد اتنی قلیل نہیں ہوگی کہ وہ ایوان میں کسی غریب الوطن کی حیثیت سے پہچانے جائیں لیکن اگر ہماری تعداد ایوان کے اندر قلیل بھی ہوئی تب بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ اقلیت ایوان کی کسی بڑی سے بڑی طاقتور اکثریت کو اپنی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی چلنے نہیں دے گی ان شاء اللہ آپ صرف وہاں پہنچنے کی کوشش کیجئے آپ دیکھیں گے کہ خود حکومت بھی اپنے تمام تر شکوہ کے باوجود آپ کو کسی مرحلہ پر نظر انداز نہیں کر سکے گی آپ بلاشبہ اقلیت میں ہوں گے۔ لیکن اکثریت ہمیشہ آپ کی محتاج رہے گی اور آپ کو پوچھ کر چلنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ وہاں اقلیت میں ہوں گے مگر آپ کی یہ اقلیت پورے ملک کے

قانون ساز اداروں میں اوپر سے لے کر نیچے تک ہر جگہ ہی حاکم ہو گی اور حاکم کی حیثیت سے ہی اپنی مرضی چلائے گی۔

آپ وہاں صرف اس جماعت کی حمایت کریں گے جو آپ کے اور آپ کے مؤقف کے لیے احترام پیش کر سکے گی اور پھر وہ جس پلڑے میں اپنا قدم رکھے گی وہی پلڑا بھاری ہو گا اور وہاں کی ہر حکومت اور ہر جماعت آپ سے یہی چاہے گی کہ آپ اس کی حمایت کریں اور پھر آپ اپنی اس حمایت کے عوض قرآن وسنت کے جس جس صفحہ پر بھی اپنی حلیف طاقت سے دستخط طلب کریں گے اسے اس سے انکار نہیں ہو گا وہاں کے سب لوگ آپ کے در کے بھکاری ہوں گے۔

بلاشبہ قرآن وسنت کی منزل تک پہنچنے کے لیے یہ راہ بڑی طویل ہے لیکن اگر کوئی بااختیار شخص اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے اور قرآن قرآن پکارنے کے باوجود قرآن سے انحراف جاری رکھے اسلام کے نفاذ کے نام پر اسلام کا حلیہ بگاڑے اسلام سے استہزا کرے تو ظاہر ہے کہ پھر با امر مجبوری یہ طویل راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا علامہ نے کہا میں پھر کہتا ہوں کہ میں اس جمہوریت کو اسلام نہیں سمجھتا اور اس جمہوری نظام کو کتاب وسنت قرار نہیں دیتا مگر میری سوچ مجھے یہی بتلاتی ہے کہ ہم اسلام کو یہاں اب اس جمہوریت اور اس جمہوری نظام کے ذریعے ہی حاکم بنا سکتے ہیں اور بحالات موجودہ اسلام کے یہاں داخلہ کی کوئی دوسری راہ موجود نہیں ہے۔

۱۱ بجے دوپہر سے اب سہ پہر کے چار بجے تھے پانچ گھنٹے کی اس طویل نشست میں صرف کھانے کا مختصر سا وقفہ آیا تھا کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کے سبب ظہر اور عصر کی نمازوں کو یکجا کر لیا گیا تھا۔ چار بجے کے بعد اہل مجلس اگلے مہینے کے اجتماع میں شرکت کا شوق لے کر اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ مگر آہ یہ شوق پھر ناتمام ہی رہا اور اس شوق کی تکمیل کے لیے جو تاریخ مقرر کی گئی تھی وہ پھر کبھی نہ آسکی۔

بہار آخر شد

اس اجلاس کے ٹھیک پانچ روز بعد ۲۳ مارچ کو اہلحدیث یوتھ فورس قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ لاہور کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ عام نماز عشاء کے بعد منعقد ہوا جس میں جمعیت اہل حدیث پاکستان کی وہ قیادت جو جمعیت اہل حدیث کی رگوں میں لہو کا درجہ رکھتی تھی اور جسے جمعیت اور یوتھ فورس کے جسم میں رگ جاں

کی حیثیت حاصل تھی اس کا ایک بڑا حصہ بم کے ایک خوفناک دھماکے کے نتیجے میں ختم ہو کر رہ گیا۔

رات گیارہ بجے کا وقت تھا علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی تقریر اپنے شباب پر تھی۔ علامہ مرحومؒ اپنی تقریر میں موقع ومحل کے مطابق بڑے خوبصورت شعر بھی پڑھا کرتے تھے اس موقع پر بھی وہ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑ........

اور بات ابھی اس لفظ لڑ سے آگے نہ چل سکی تھی کہ اچانک ہی پاس پڑے گلدان سے ایک محشر اثر دھماکہ ہوا کہ جلسہ گاہ کا پورا اردگرد لرز اٹھا اور ماحول زہریلے دھوئیں میں ڈوب گیا جس میں لاشیں تھیں زخمی تھے چیخ و پکار تھی اور آہ و بکا تھی۔

یوتھ فورس کے شیر دل قائد جناب محمد خان نجیبؒ اور اہل حدیث کے ایک مایہ ناز عالم دین جناب مولانا عبد الخالق قدوسیؒ چار دوسرے کارکنوں کے ساتھ وہیں شہادت کے مرتبہ تک پہنچ گئے

حضرت علامہ اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانیؒ کو زخمیوں میں پایا گیا جو بم کے دھماکے سے سٹیج سے بہت دور جا پڑے تھے۔

زخمیوں کو فی الفور ہسپتال پہنچایا گیا جہاں مولانا یزدانیؒ اگلی شام کو بحالت بیہوشی ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے

حضرت علامہؒ کو چند روز بعد خطرناک حالت میں لاہور سے ریاض (سعودی عرب) لے جایا گیا اور انہوں نے وہاں ۳۰ مارچ کو اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون زندگی ختم ہو گئی اور ساتھ ہی زندگی کے سارے پلان بھی ختم ہو گئے تمنائیں ناکام رہ گئیں۔ اور آرزوؤں کے چراغ بجھ گئے۔ وہ زبان خاموش ہو گئی جو اپنے سننے والوں کے سینوں میں بھونچالوں کی تخلیق کرتی تھی جس کے نعروں سے اپنوں کے دل خوشی سے اچھلتے اور مخالف خوف سے کانپتے تھے۔ ہائے کتنی دردناک صورت حال ہے اور مرزا غالب نے بھی کتنا دردناک نقشہ کھینچا ہے جب کہا کہ

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط | دامان باغبان وکف گل فروش ہے
لطف خرام ساقی وذوق صدائے چنگ | یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں | نے وہ سرور وسوز نے جوش وخروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی | اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

بلا للہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت

علامہ احسان الٰہی ظہیر اِس طرح دُنیا سے رخصت ہُوئے کہ دُنیا دیکھتی رہ گئی ـــــ ایک دُنیا کی دُنیا لُٹ گئی ـــ وہ صرف چھیالیس سال کے تھے، لیکن چھیالیس برسوں میں صدیوں کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ ان کی خطابت، ذہانت، فراست اور لیاقت نے انہیں وہاں پہنچا دیا تھا جہاں پہنچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے ـــ

علامہ چند روز پہلے ہنستے مسکراتے بھلے چنگے راوی پارک لاہور میں ایک چھوٹے سے جلسے جسے کارنر میٹنگ کہیں تو بے جا نہ ہوگا، سے خطاب کرنے گئے تھے ـــــ کہ وہاں بم کے دھماکے نے نقشہ پلٹ دیا ـــــ جلسہ اِس حال میں منتشر ہُوا کہ علامہ خون سے لت پت میو ہسپتال پہنچا دیے گئے، اُن کے کئی عزیز ساتھی شدید زخمی ہوئے، چند جانثار کارکن چل بسے ـــــ بم کے دھماکے نے زندگی کا پیغام دینے والے کی زندگی پر حملہ کر دیا تھا!!!

جمعیت اہل حدیث کے ایک بڑے رہنما اور بے باک مقرر مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی جمعیت کے جلسوں میں علامہ سے پہلے تقریر کرتے تھے، ان کی تقریر سماں باندھ دیتی تو علامہ سٹیج پر آ کر سماں کو آسمان کی وسعتوں سے ہم کنار کر دیتے۔ جلسۂ محشر میں روانہ ہونے کے لیے بھی یزدانی صاحب نے پہل کی، علامہ سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے مداحوں اور نیازمندوں، اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں اور اہلیہ کو وہ زخم دے گئے کہ جو مندمل نہ ہو سکے گا ـــ

علامہ کی حالت عام لوگوں کو خاصی سنبھلی ہوئی نظر آتی تھی۔ وہ ہوش میں بھی آ گئے تھے، اپنے تیمار داروں سے باتیں بھی کرنے لگے تھے۔ رُک رُک کر ہی سہی، آہستہ آواز ہی میں سہی، چند الفاظ ہی میں سہی، وہ اپنی بات کبھی نہ کبھی کہتے تھے، اور بعض اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جوابات بھی دے گزرے تھے ـــــ عام خیال یہ تھا کہ علامہ خطرے سے باہر ہیں، لیکن ان کے معالجوں کو اطمینان نہیں تھا۔

علامہ صاحب مدینہ یونیورسٹی کے طالب علم رہے تھے۔ یہاں سے انہوں نے امتیازی شان کے ساتھ امتحانات پاس کیے تھے۔ مدینہ ان کا دوسرا گھر تھا اور ان کی زندگی مدینے والے کے پیغام ہی کو عام کرنے کے لیے وقف تھی۔ توحید کا ترانہ انہوں نے اس شان سے گایا کہ سُننے والے جھوم جھوم اُٹھے۔ ان کو علاج کے لیے سعودی عرب لے جانے کا فیصلہ ہُوا، وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد اپنی جان کا نذرانہ لے کر اپنے رب کے حضور پہنچ گئے ـــ میت مدینہ لے جائی گئی، اور جنت البقیع میں ان کے جسدِ خاکی نے جگہ پائی ـــــ گویا، ان کو سعودی عرب لے جانے کا اہتمام قدرت نے اسی لیے کیا تھا کہ وہ مدینے کی مٹی میں مل سکیں ـــــ اس کی چادر اوڑھ کر اطمینان سے سو سکیں۔

حضرت علامہ شورش کاشمیری کے انتقال کے بعد خطابت کے میدان پر بلا شرکتِ غیرے حکمران تھے ـــ ان کا کوئی حریف نہ تھا ـــــ انہوں نے قومی سیاست میں حصہ لیا، تحریکِ استقلال میں شامل رہے، تحریکِ نظامِ مصطفٰے میں سرگرم رہے۔ جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بھی ایک زمانے میں محبت کا تعلق رہا، نوابزادہ نصر اللہ خان کے ساتھ بہت گہرے ذاتی مراسم کے باعث ایم آر ڈی کے قریب آئے ـــــ لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے انہوں نے اپنے آپ کو جمعیت اہلِ حدیث کے لیے خاص کر لیا تھا۔ ان کے زیرِ اہتمام ملک بھر میں انتہائی بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کیا، اور اس کو منظم کر کے اپنی طاقت بنانے میں لگے رہے ـــــ شریعت بل کے وہ شدید مخالف

تھے۔اس کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرنا انہوں نے اپنا مشن بنالیا تھا ——— سیاست نے ان کے مزاج کو غیر فرقہ وارانہ بنا دیا تھا، ان کے سماجی تعلقات ہر گروہ کے رہنماؤں کے ساتھ تھے، لیکن مذہبی حوالوں سے بات کرتے تو ان کے اندر کا اہلِ حدیث انتہائی بیدار اور ہوشیار نظر آتا ——— انقلاب ایران کے شدید نکتہ چینیوں میں تھے اور ایران عراق جنگ کے حوالے سے ایران سے ان کا اختلاف بھی ڈھکا چھپا نہ تھا ——— ان کی عربی تحریروں کا جواب ایرانی علما کے زیرِ نگرانی بڑے اہتمام سے دیا جاتا تھا ——— قادیانیوں کے خلاف انہوں نے معرکے کی تحریریں لکھی ہیں۔اس گروہ کے خلاف ان کا قلم تلوار بنا ہوا تھا۔

علامہ جس شان سے اردو بولتے تھے، اسی شان سے عربی میں خطاب کرتے تھے۔ان کی زیادہ تر تصانیف عربی میں ہیں، جن کے انگریزی تراجم بھی ہو چکے ہیں، اور اردو میں بھی ہو رہے ہیں ——— عربی پر انہیں ایسی قدرت تھی کہ بہت سے عرب بھی ان کے سامنے تقریر کرنے سے گھبراتے تھے ——— انہوں نے دین سے بھی تعلق مستحکم رکھا، کاروبار بھی پھیلایا اور بڑھایا، اور کروڑوں روپیہ کمایا۔

علامہ صاحب کی زندگی میں ان کے بعض معاملات سے، بعض اقدامات سے بعض سیاسی فیصلوں سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی ان کی موت پر خون کے آنسو رو دیے ہیں ——— وہ ہمارے درمیان سے اُٹھ گئے ہیں تو پتہ چلا ہے کہ کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے ——— یُوں لگتا ہے کہ زمین پر پہاڑ کم ہو گئے ہیں یا آسمان نے اپنی چھتری کو کچھ سمیٹ لیا ہے ——— اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے، اور ان کی نیکیوں کا بے حساب اجر عطا فرمائے۔

حکومت پر لازم ہے کہ وہ ان کے قاتلوں کا پتہ چلائے، اور ہماری قومی تاریخ کے اس انتہائی الم ناک بلکہ شرمناک واقعے کے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے ——— یہ کوئی رسمی مطالبہ نہیں ہے، غم زدہ دلوں کی پکار ہے، اور اس میں ایک للکار بھی ہے کہ جو اقتدار خونِ ناحق کا انتقام نہیں لے سکتا، خونِ ناحق اس سے اپنا انتقام لے لیتا ہے۔یہ انتقام کیسا ہوتا ہے؟ جنرل ضیاء الحق، وزیر اعظم جونیجو اور وزیر اعلیٰ نواز شریف اگر تاریخ کے صفحات تک رسائی نہیں رکھتے تو کسی طالب علم سے پوچھ کر دیکھ لیں!!!

(بشکریہ: قومی ڈائجسٹ)

بقیہ: ابو کی یاد میں

سکون بخشیں گے ابو آپ تو خواب ہی ہو گئے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہے کوئی ایسا بتائے ہم کو کہ جرم کیا ہے قصور کیا ہے
یہ برقِ وحشت گری جو ہم پر جواز اس کا حضور کیا ہے

ابو آپ کا یہی جرم تھا کہ آپ محمد عربی ﷺ کے پرچم کو پاکستان کی فضاؤں میں لہرانا چاہتے تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ میں نہیں ہوں گا تو انشاء اللہ میرا یہ بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ناموسِ رسالت کا تحفظ کرے گا ابو! میں آپ کی روح سے عہد کرتا ہوں کہ آپ کا یہ مشن جاری رہے گا اور آپ کے قاتل بھی انشاء اللہ آپ کے بیٹے سے نہ بچ سکیں گے۔

ابو کی یاد میں

جناب ابتسام الٰہی ظہیر صاحبزادہ حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ

جب بارش کے قطرے فصلوں پر پڑتے ہیں اور سبزہ زاروں پر گرتے ہیں تو فصلیں ہری اور سبزہ زار لہلہانے لگتے ہیں اسی طرح یادوں کی اوس جب دل کے دریچوں پر پڑتی ہے تو غموں کی آبیاری کرتی ہے اور دل کے زخم ایک بار پھر ہرے ہو جاتے ہیں۔

اے میرے ابو آپ بھی تو انہی شخصیات میں سے ہیں جو اپنی یادوں کے ذریعے ہمیں مرغ بسمل کی طرح تڑپاتی ہیں۔ بخدا جب آپ کی یاد آتی ہے دل میں ایک ٹیس اور سینے میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ مجھے کس پل آپ یاد نہیں آتے؟ جب سورج رات کے دامن میں محوِ خواب ہو جاتا ہے اور رات کی دیوی ایک عالم کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے تو آپ یادوں کی بارات کے ساتھ اپنی تمامتر وسعتوں اور بلندیوں کو لے کر میرے دل و دماغ میں اپنا آشیانہ بنا لیتے ہیں اور میں ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کاش جو واقعہ گزر چکا ہے وہ محض ایک خیالی ہی ہو مگر میں حلقۂ دام خیال میں پھنس کر رہ جاتا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ آپ اس دن کتنے عظیم لگ رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آپ آفتاب نصف النہار ہیں آپ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی مجھ میں تاب بھی نہیں تھی آہ! اس دن کے بعد آپ سے آسمانِ دنیا کے نیچے ملاقات نہ ہو سکے گی اور شاید اب آپ کی اور میری ملاقات میدان حشر ہی میں رب کے حضور ہو مگر ایک بات ہے کہ موت کی وادیوں میں قدم رکھنے سے پہلے تک آپ کی یاد دل کو تڑپاتی رہے گی اور مجھے کسی پل سکون نصیب نہ ہو گا۔

مجھے آج آپ کے وہ الفاظ یاد آ رہے ہیں جو آپ نے کسی جلسے میں کہے تھے کہ اس وقت ہم نہیں ہوں گے اور تم اپنے بچوں کو ہماری داستانیں سنایا کرو گے کہ ایک ایسا دور تھا جس میں ظلمت اور تاریکی کا دور دورہ تھا اور شیطان نے اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے اور اہل حدیث کو ایک حقیر قوم کی حیثیت